Tauseeq, Volume. 3, Issue. 2
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI:https://doi.org/10.37605/tauseeq.v3i2.35

Received: 11-11-2022
Accepted: 06-12-2022
Published: 31-12-2022

خیبر پختونخوا کی دہشت گردی کے تناظر میں لکھے گئے نمائندہ کالموں کا اسلوبیاتی جائزہ

(A stylistic review of Representative Columns Written in the context of Terrorism in Khyber Pakhtunkhwa)

• نورین شفیع
• ڈاکٹر تحسین بی بی

Abstract
Language is the key medium of communication. Now, if you look at it, electronic media, printmedia and social media come in mass media. Journalism is an important pillar in print media and column writing is an important field in journalism. Without which journalism is not complete. Journalism is a versatile field. Columnists write about events affecting society in the light of their experiences and observations. Columns are of different types such as political, social, economic and jurisprudence etc. Each columnist has his own distinct writing style or style. Often columnists write columns on national issues which are based on various topics. There is also terrorism among them. Who made the roots of our country hollow . It has weakened us economically, especially the province of Khyber Pakhtunkhwa. Among the columnists who tried their best on the subject of terrorism in Khyber Pakhtunkhwa, Rahimullah Yousafzai, Ziaul Haq Sarhadi, Syed Bhi Bukhari, Saleem Safi, etc. are worth mentioning. It is different, but some things are common, such as the style of these columnists is smooth. He has described his experiences and observations in simple terms. . In his columns, he openly expressed his opinion on the situation and events of Pakistan and Afghanistan. He also mentioned the causes of terrorism in Pakistan and the efforts of the United Nations, Pakistan and Afghanistan for its solution and also gave his personal views on all the situations and events.

Keywords: *column, style, columnism, analysis, terrorism, Pakistan, Afghanistan, society, sector*

ابلاغ کا کلیدی ذریعہ زبان ہے۔ اب اگر دیکھا جائے تو ابلاغِ عامہ میں الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا آتے ہیں۔ پرنٹ میڈیا میں صحافت ایک اہم ستون ہے اور صحافت میں کالم نگاری ایک اہم شعبہ ہے۔ جس کے بغیر صحافت مکمل نہیں ہوتی۔ کالم نگاری ایک ہمہ جہت شعبہ ہے۔ کالم نگار معاشرے پر اثر انداز ہونے والے واقعات کو اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں تحریر کرتے ہیں۔ کالم مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں جیسے کہ سیاسی، سماجی، معاشی اور فکاہیہ

• پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ لسانیات و ادبیات، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور
• ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ لسانیات و ادبیات، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور

وغیرہ، ہر کالم نگار کا اپنا جداگانہ طرز تحریر یا اسلوب ہوتا ہے۔ اکثر کالم نگار ملکی مسائل پر کالم لکھتے ہیں جو مختلف موضوعات پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان میں ایک دہشت گردی بھی ہے۔ جس نے ہمارے ملک کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ ہمیں معاشی طور پر انتہائی کمزور کر دیا خاص طور پر صوبہ خیبر پختونخواہ اس سے بہت متاثر ہوا۔ خیبر پختونخوا میں دہشت گردی کے موضوع پر جن کالم نگاروں نے اپنا زور قلم آزمایا ان میں رحیم اللہ یوسف زئی، ضیاء الحق سرحدی، سید جی بھی بخاری، سلیم صافی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اگرچہ کہ ان کالم نگاروں کا طرز تحریر یا اسلوب ایک دوسرے سے مختلف ہے مگر چند ایک باتیں مشترک ہیں جیسے کہ ان کالم نگاروں کا اسلوب سلیس ہے۔ انہوں نے اپنے تجربات و مشاہدات کو آسان پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اپنے کالموں میں انہوں نے کھل کر پاکستان اور افغانستان کے حالات و واقعات پر اظہار رائے کیا۔ پاکستان میں دہشت گردی کی وجوہات اور اس کے سدِباب کے لیے اقوام عالم، پاکستان اور افغانستان کی کوششوں کا ذکر بھی کیا اور تمام حالات و واقعات پر اپنی ذاتی آراء بھی دیں۔

سید جی بی شاہ بخاری ایک معروف کالم نگار ہے۔ اس کا کالم روزنامہ آج میں تسلسل سے شائع ہوتا ہے۔ مذکورہ کالم نگار کے کالموں کے عنوان عمومی طور پر سیاست، سماجی مسائل اور دہشت گردی پر مبنی ہوتے ہیں۔ زیرِ تجزیہ کالم جس کا عنوان "افغانستان میں امن کے اشارے" 18 جولائی 2018 کو شائع ہوا جس میں افغانستان میں امن و امان کے مسئلے سے پاکستان کا متاثر ہونا، افغان جنگ، طالبان اور عوام کی ممکنہ رائے عامہ اور افغان جنگ کے خاتمے کے لیے مذاکرات کے آغاز پر تفصیلی بحث ہوتی ہے۔

کالم نگار لکھتا ہے کہ:

> "افغانستان کے لاء اینڈ آرڈر کے اثرات پاکستان پر پڑتے ہیں دہشت گردوں کی سرگرمیوں سے پورا خطہ بدامنی کی لپیٹ میں ہے۔ پاک فوج اور قوم نے قیام امن کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ حالیہ دنوں میں افغان طالبان، حکومت اور عوام عید الفطر سے قبل مذاکرات کے ذریعہ حصول امن چاہتے تھے جس کا مشاہدہ عید الفطر کے موقع پر ہوا عارضی جنگ بندی افغانستان میں امن کا پیغام لے کر آئی اور عید کی نماز طالبان اور افغانستان کی سیکورٹی فورسز نے اکٹھی پڑھی، گلے ملے اور ایک ساتھ میڈیا کو انٹرویو دے کر جنگ بندی کی توثیق کی۔ اس دوران جلال آباد میں دھماکہ ہوا لیکن داعش کی طرف سے ذمہ داری قبول کرنے پر موجود کنفیوژن ختم ہوئی کہ یہ دھماکہ طالبان کی طرف سے نہیں ہوا چونکہ طالبان، حکومت اور عوام ایک ہی مذہب کے پیروکار اور ایک ہی ثقافت رکھتے ہیں لہٰذا یہ تین روزہ جنگ بندی دائمی امن کے لیے شاہراہ ثابت ہوئی جس نے ایک دوسرے کو عزت دی،

پیدل مارچ ہوا اور جنگ کے خاتمے کے لیے عزم کا اظہار کیا گیا۔"(1)

پاکستان افغانستان کا پڑوسی ملک ہے اور دونوں ممالک کے مابین 24 کلومیٹر طویل بارڈر ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ افغانستان میں امن عامہ کا مسئلہ نہایت پیچیدہ اور حل طلب مسئلہ ہے افغانستان کے حالات کے اثرات پاکستان پر پڑتے ہیں جیسے کہ افغان جنگ اور دہشت گردی کے واقعات کے اثرات پورے خطے پر پڑتے ہیں۔ پاکستانی افواج اور قوم نے مکمل یکجہتی کے ساتھ ملک میں قیامِ امن کے لیے کوششیں کیں اور کافی حد تک کامیابی بھی حاصل کی یہ مقاصد حاصل کرنے کے لیے قوم اور فوج نے بے تحاشا قربانیاں دیں۔ مذاکرات کے ذریعے افغانستان میں حصولِ امن نہ صرف افغانستان کے مفاد میں ہے بلکہ پورا خطہ اس سے استفادہ کرسکے گا یہ خوش آئند ہے کہ عید سے قبل افغان طالبان نے ایسے اشارے دیئے کہ طالبان بھی مذاکرات کے ذریعے افغان جنگ کے خاتمے کے لیے کوشاں ہیں۔ جب طالبان، افغان حکومت اور عوام ایک ہی دن عید کے روز ایک ہی جگہ پر عید کی نماز پڑھیں گے اور خوشیاں منائیں گے اور ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دیں گے تو اس سے بڑا اشارہ نیک نیتی سے حصولِ امن کے لیے کیا ہو سکتا ہے اور یہ سب کچھ ہوا تاہم عید کے تیسرے دن جلال آباد کی مسجد میں دھماکا ہوا جس میں پچاس نمازی شہید ہوئے اس واقعہ نے شکوک وشبہات پیدا کیے تاہم جب داعش نے اس دھماکے کی ذمہ داری قبول کی تو کنفیوژن کا خاتمہ ہوا۔ عید سے قبل اور ابتدائی ایام میں طالبان، افغان حکومت اور عوام کے مابین جو گرمجوشی پائی گئی اس میں نظریاتی طور پر مذہب سے وابستگی، ایک ہی ثقافت اور حصول امن عیاں ہیں۔ یہ نظریاتی سوچ اور وہ بھی تینوں اسٹیک ہولڈرز کی طرف سے صلح وامن کی نشاندہی کرتی ہے۔ نوجوان نسل اپنے ملک میں خانہ جنگی کا خاتمہ چاہتے ہیں اور حصولِ صلح وامن کے لیے کوشاں ہیں۔ زمینی حقائق بھی یہی ہیں کہ یہی نظریاتی سوچ ان کو ایک لڑی میں پرو کر ایک مضبوط اور مستحکم قوم بنائے گی اور افغانستان میں بیرونی دہشت گرد قوتوں کے لیے مؤثر جواب بھی ہے۔

کالم نگار اپنے کالم میں مزید لکھتے ہیں کہ:

> "پاکستان اور افغانستان کے مابین خاموش ڈپلومیسی کا بڑا کردار ہے دونوں ممالک کے سربراہان اور پاکستان کے آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ طویل المدتی ایکشن پلان پر متفق ہوئے جس کے تحت دونوں ممالک کی وزارتوں، فوج اور انٹیلی جنس اداروں کے اہلکار ایک دوسرے کے ملکوں میں تعینات کرنے پر اتفاق ہوا اور یہ بھی طے ہوا کہ دونوں ممالک اپنی سرزمین ایک دوسرے کے خلاف استعمال نہیں ہونے دیں گے۔ افغانستان کی طرف سے پاکستان مخالف طالبان لیڈر اور جماعت الاحرار کے رہنما کی گرفتاری اور ان کی پاکستان حوالگی اور پھر پاکستان سے طالبان پناہ گزیں رہنماؤں کی واپسی اور ملا فضل اللہ کی ہلاکت دونوں ممالک کے مابین خیر سگالی

کی نشاندہی کرتی ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہوا کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کو انٹیلی جنس معلومات میں معاونت بھی فراہم کریں گے۔ پاکستان کے صدر ممنون حسین سے افغانستان کے چیف ایگزیکٹو ڈاکٹر عبداللہ کی ملاقات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور یہ ملاقات دونوں ممالک میں امن کے حصول کے لیے ناگزیر ہے۔"(2)

پاکستان اور افغانستان کے مابین تعلقات کے کئ ادوار رہے ہیں اور یہ ادوار مختلف حالات اور وجوہات کی بنا پر تھے تاہم دونوں ممالک کی عوام میں مشترکہ اقدار مذہب، زبان اور ثقافت ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے تحفظ اور معاشی حالات کو بہتر کرنے کے لیے پڑوسی ملک ہونے کی وجہ سے دونوں ممالک کا ایک دوسرے پر انحصار بھی ہے۔ اگر براہ راست ڈپلومیسی ممکن نہ ہو تو خاموش ڈپلومیسی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ پاکستانی آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ نے ایک طویل المدتی ایکشن پلان تشکیل دیا جس میں دونوں ممالک کی افواج اور انٹیلی جنس اداروں کے ورکنگ گروپ بنانے اور ایک دوسرے کے ملک میں اہلکار تعینات کرنے جیسے اقدامات شامل تھے۔ اس ایکشن پلان پر دونوں ممالک کا اتفاق ہوا اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ دونوں ممالک اپنی سرزمین کسی طور پر بھی ایک دوسرے کے خلاف استعمال نہیں ہونے دیں گے۔ خیر سگالی کے ان عوامل میں دونوں ممالک نے اپنا کردار ادا کیا جیسے پاکستان مخالف طالبان لیڈر کی ملک بدری اور پھر اس کو پاکستان کے حوالے کرنے، تحریک طالبان کے سربراہ ملا فضل اللہ کی ہلاکت وغیرہ جیسے اقدامات شامل ہیں۔ یہ تمام اقدامات دونوں ممالک کی معاونت کے بغیر ممکن نہ تھے۔ دیکھا جائے تو ماضی میں دونوں ممالک کے مابین عدم اعتماد کی فضا موجود تھی لیکن خیر سگالی کے ان واقعات نے دونوں ممالک کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں مدد دی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے صدر ممنون حسین اور افغانستان کے چیف ایگزیکٹو ڈاکٹر عبداللہ نے دوشنبہ میں ایک کانفرنس کے دوران گرم جوشی سے ملاقات کی اور دونوں ممالک کے سربراہان کی یہ ملاقات دونوں ممالک اور خطے میں قیام امن کے لیے ضروری تھی۔

اگر ہم اس کالم "افغانستان میں امن کے اشارے" میں کالم نگار سید جی بی شاہ بخاری کے اسلوب کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ کالم نگار نے نہایت سلیس انداز تحریر اپنایا ہے۔ خبروں پر مبنی مشاہدات، تجربات اور ماضی کے واقعات کا سلیس بیان ہے ماضی کے واقعات کو حال سے جوڑنے کے لئے نہایت آسان اور سادہ الفاظ اور جملوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ اپنی ذاتی اور مشاہداتی فکر و سوچ کی عکاسی کم سے کم اور واقعات کا بیان زیادہ ہے۔ اسلوبِ کالم نگاری نظریاتی اور سیاسی معاملہ فہمی ہے جو کالم نگار کی فکری اور مشاہداتی تجربات کی عکاسی ہے۔ الفاظ اور جملوں کی ترتیب بھی سادہ اور سلیس ہے جو عام قاری کی سوچ کے مطابق ہے تاکہ کم سے کم الفاظ اور جملوں کی بدولت مکمل اور جامع معلومات قاری تک پہنچے اور وہ اس کے نئے معنی اخذ کر سکے۔

بر گیڈیئر ریٹائرڈ عظمت کریم دفاعی تجزیہ نگار ہے۔ ان کا کالم 20 جون 2018 کو روزنامہ آج میں ادارتی صفحہ پر شائع ہوا۔ بنیادی طور پر اس کالم کو انگریزی زبان میں لکھا گیا اور یہ کالم انگریزی اخبار نیوز میں شائع ہوا جس کو اخبار کے ٹرانسلیٹر ابوالحسن امام نے ترجمہ کیا اور یہ کالم اخبار کے ادارتی صفحے پر شائع ہوا کالم کا عنوان "پاک افغان مشترکہ جدوجہد: پہلی کامیابی" تھا۔

عظمت کریم اپنے کالم میں لکھتے ہیں کہ :

> "پاک فوج کے ترجمان ادارے آئی ایس پی آر کا کہنا ہے کہ افغانستان کے صدر اشرف غنی نے کلعدم تحریکِ طالبان پاکستان کے سربراہ ملا فضل اللہ کے امریکی ڈرون حملے میں مارے جانے کی تصدیق کر دی ہے فضل اللہ کی ہلاکت مثبت پیش رفت ہے جس سے سانحہ اے پی ایس پشاور سمیت دہشت گردی کے متعدد واقعات میں شہید ہونے والے ورثا کو ریلیف ملا ہے۔ فضل اللہ پیپلز پارٹی کے دور میں شروع ہونے والے سوات آپریشن کے دوران فرار ہو کر افغانستان چلا گیا تھا جو وہیں سے پاکستان میں دہشت گردی اور خودکش حملوں کی منصوبہ بندی اور دہشتگردوں کو کمک فراہم کرتا رہا۔ فضل اللہ گروپ نے ہی ملالہ یوسف زئی پر حملہ کر کے اسے مارنے کی کوشش کی تھی اگرچہ طالبان نے اتحادی اور افغان فورسز کے خلاف ماہ رمضان المبارک کی وجہ سے جنگ بندی کا اعلان کر رکھا تھا مگر فضل اللہ کی ہلاکت کے بعد طالبان نے نہ صرف جنگ بندی میں توسیع کا اعلان واپس لے لیا بلکہ پاک فوج کے خلاف دہشت گردانہ کارروائیوں کا آغاز بھی کر دیا۔ جس کا پاک افواج نے موثر جواب دیا۔"(3)

افغانستان دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے اور پاکستان اس کو افغانستان کے اشتراک سے ختم کرنے کا داعی ہے افغانستان کی سرزمین پر پاکستانی طالبان کے سربراہ کی ہلاکت اسی اشتراکی عمل سے ممکن ہوئی۔ ملا فضل اللہ 2007 کے بعد سوات آپریشن سے قبل سوات میں منظر عام پر آیا اور 2013 میں افغانستان کی سرزمین پر پاکستانی طالبان کا سربراہ مقرر ہوا اور جون 2018 میں امریکی ڈرون حملے میں ہلاک ہوا ملا فضل اللہ پر دہشت گردی اور دیگر مقدمات درج تھے جس میں قتل، دہشت گردی، سرکاری املاک کو نقصان پہنچانا، سرکاری مشینری کو ختم کر کے اپنی ایک علیحدہ حکومت بنانا تھا۔ وہ بغاوت اور شر پھیلانے کا ذمہ دار تھا بے تحاشہ قتل اور جرائم میں ملوث تھا لیکن سوات آپریشن کے بعد وہ منظر عام سے غائب ہو گیا اس دہشتگردی میں ملالہ یوسفزئی پر قاتلانہ حملہ خواتین سکولوں کی بندش اور خواتین تعلیم پر پابندی کے علاوہ متعدد سنگین جرائم کا ارتکاب شامل ہے۔

افغان طالبان نے اتحادی اور افغان فورسز کے ساتھ رمضان میں سیز فائر کیا تھا لیکن 13 جون 2018 کو جب ملا فضل اللہ امریکی ڈرون حملے میں لقمہ اجل بنے تو طالبان نے جنگ بندی میں توسیع کا پیغام واپس لیا اور دہشت گردی کی کارروائی میں پاکستانی چوکیوں پر اندھا دھند حملہ کیا جس سے پاک فوج کے تین اہلکار شہید ہوئے جبکہ پاک فوج کی جوابی کارروائی میں متعدد طالبان ہلاک ہوئے۔ پاکستانی چیک پوسٹوں پر حملے میں عمومی طور پر افغانستان میں مقیم پاکستانی طالبان ملوث رہے ہیں اس لیے موجودہ حملے کو بھی طالبان کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے ایک طرف مذاکراتی عمل جو طالبان، افغان حکومت اور افغان عوام کی تائید اور حمایت سے جاری ہے تو دوسری طرف ملا فضل اللہ پر ڈرون حملہ مزاکراتی عمل کو سبوتاژ کرتا ہے۔

کالم نگار اپنے کالم میں آگے لکھتے ہیں کہ :

> "فضل اللہ پر ڈرون حملے سے دو روز قبل آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ افغانستان کے دورے پر تھے جس کے دوران دہشت گردوں کے خلاف مشترکہ آپریشن کے تمام ممکنہ پہلوؤں پر غور کر کے مشترکہ میکنزم پر اتفاق رائے ہوا تھا۔ پاکستان کی جانب سے کابل انتظامیہ کو متعدد مواقع پر باور بھی کرایا جاتا رہا کہ اگر اس خطے میں دہشت گردوں کی سرکوبی کے لیے شروع دن سے ہی مشترکہ میکنزم طے کر کے اس پر عمل شروع کر دیا گیا ہوتا تو یہاں دہشت گردی کا ناسور پھیلانے کی یقیناً نوبت ہی نہ آتی۔"(4)

کالم نگار نے اپنے کالم میں ملا فضل اللہ کی ڈرون حملے میں ہلاکت کو جنرل باجوہ کی مشترکہ میکنزم یا ایکشن پلان کی فتح قرار دیا ہے گو کہ افغان سرزمین پاکستان میں دہشت گردی کے پھیلاؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے جبکہ افغانستان ہر دہشت گردی کا الزام پاکستان پر ڈالتا ہے حالانکہ پاکستان میں دہشتگردی کے پیچھے جو ایکٹر ہیں ان کی ڈوریں افغانستان سے ہلائی جاتی ہیں۔

افغانستان کا صدر بننے کے بعد پاکستان کی جانب سے اشرف غنی کو دہشت گردوں کے نیٹ ورک کے بارے میں تفصیلی بریفنگ دی گئی کہ کس طرح افغان سرزمین پاکستان میں دہشت گردی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ افغان صدر نے واپس جا کر پاکستان کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا اور کامیابی کے لئے دعا گو رہے اور کہا کے مشترکہ آپریشن سے خطے میں دہشت گردی کا خاتمہ ہو سکے گا لیکن ان کے قول و فعل میں تضاد نظر آیا اور اس پر پیش رفت نہ ہو سکی تاہم جنرل باجوہ کے دورہ افغانستان میں مشترکہ آپریشن یا ایکشن پہلی کامیابی نظر آئی۔

کالم نگار کے اسلوب تحریر کو دیکھا جائے تو اس میں نظریاتی جھلک نظر آتی ہے جس میں (یورپین سکالر وینڈک کے نظریہ کے مطابق) اپنے لوگوں کو شہید اور دشمن کو ہلاک قرار دیا جاتا ہے یعنی اپنی قربانیوں کو اعلیٰ الفاظ اور جملوں میں سراہنا اور دشمن کو مخالفانہ انداز سے بیان کرنا جیسے کہ اپنے فوجیوں کے لیے شہید کا لفظ اور طالبان سربراہ کے لیے ہلاک جیسا لفظ استعمال کرنا۔ پاکستانی چیک پوسٹوں پر حملہ پاکستانی طالبان کے ایما پر ہوتے ہیں یہ بھی اسی نظریاتی سوچ کا تسلسل ہے۔ سوچ و فکر، تجربات کا بیان، واقعات کی یکطرفہ تشریح اسی نظریاتی سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔ مجموعی طور پر کالم میں کالم نگار کا اپنا

نقطہ نظر زیادہ اور زمینی حقائق کم نظر آتے ہیں۔ کالم نگار دفاعی تجزیہ نگار ہے جس نے مشترکہ آپریشن کا مکمل کریڈٹ جنرل باجوہ یا فوج کو دیا یہ کالم کی کریڈیبلٹی کو متاثر کرتا ہے کیوں کہ اس میں معروضی صورتحال کو اس طرح پیش نہیں کیا گیا جو کہ کالم کا خاصہ ہے تاہم الفاظ اور جملوں کے استعمال میں ربط رہا ہے جو آغاز سے اختتام تک نظر آیا۔

ضیاءالحق سرحدی اگرچہ بزنس کمیونٹی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن تسلسل سے روزنامہ آج کے ادارتی صفحے پر ان کا کالم شائع ہوتا ہے۔ مذکورہ کالم 3 ستمبر 2016 میں شائع ہوا۔ جس میں پاکستان کے پانی کے ذخائر اور ان کا زرعی استعمال اور پن بجلی بنانے کے استعمال پر تفصیلی گفت وشنید اور بحث کی گئی ہے۔ کالم کا عنوان "یقین محکم" اور موضوع "پاک افغان آبی معاہدے" ہے۔

کالم نگار لکھتا ہے کہ:

> "پاکستان اور بھارت کے مابین آبی مسائل نے جو رخ اختیار کیا ہے اس سے جہاں بھارت نے پاکستان کے دریاؤں پر غیر قانونی ڈیم تعمیر کر رکھے ہیں جو پاکستان کو خشک سالی کی جانب دھکیلنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ بھارت جب چاہتا ہے ان دریاؤں میں سیلاب امڈ آنے کی وجہ سے اضافی پانی کا رخ اچانک پاکستان کی جانب کرنے سے پاکستان میں سیلاب کی صورتحال پیدا کر کے یہاں تباہی مچادیتا ہے۔ بھارت ایسا کوئی بھی موقع جس سے پاکستان کو نقصان پہنچانے کا اس کا مقصد پورا ہوتا ہو اس کو ضائع نہیں کرتا۔"(5)

پاکستان اور ہندوستان کے مابین آبی ذخائر اور وسائل مسلسل گمبھیر شکل اختیار کر رہے ہیں اور یہ مسائل اتنے ہی پرانے ہیں جتنا کہ دونوں ممالک، یہ ممالک جب برطانوی تسلط سے آزاد ہوئے تو دونوں ممالک کے مابین اثاثوں کی منصفانہ تقسیم نہ ہوئی۔ دونوں ممالک کے مابین سندھ طاس اور دیگر ایسے کنوینشن موجود رہے۔ وسائل کی منصفانہ تقسیم کے لیے صدائیں اور بلند و بانگ دعوے بلند ہوتے رہے لیکن یہ دعوے اور وعدے کبھی پورے نہیں کیے جاتے پاکستان کے آبی وسائل بھارت میں ذخیرہ کر دیے جاتے ہیں اور جو آبپاشی اور پن بجلی کے مقاصد کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ پاکستانی پانی کو بھارت میں اسٹور کرنے سے پاکستان میں گھمبیر مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ چونکہ بھارت بڑا ملک ہے اس لیے نہ تو پاکستانی حق کا حصول بین الاقوامی کورٹ آف جسٹس میں ممکن ہے نہ پاکستان کے پاس ایسا کوئی ٹول ہے جس کو استعمال کر کے پانی کا اپنا حق حاصل کر سکے۔

کالا باغ ڈیم بنانے پر اصرار صوبہ پنجاب کی طرف سے تھا اور حکمران طبقہ بھی پنجاب سے رہا ہے جبکہ دیگر تین چھوٹے صوبے باشا ڈیم اور دیگر چھوٹے پن بجلی منصوبوں پر اصرار کرتے رہے ہیں اور یہی اختلافِ رائے ڈیم بنانے میں رکاوٹ رہے ہیں۔

کالم نگار ضیاء الحق سرحدی پاک افغان آبی مسائل پر مزید لکھتے ہیں کہ:

"پاکستان نے مستقبل میں افغانستان کے ساتھ کسی قسم کے آبی تنازعہ سے بچنے کے لیے دونوں ملکوں کے درمیان پانی کی تقسیم کے معاہدے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے تاہم افغانستان کی طرف سے پھر فی الوقت کسی قسم کا ردعمل سامنے نہیں آسکا ہے۔ پاکستان دریائے کابل پر افغانستان میں بھارت کی مدد سے 12 ڈیموں کی تعمیر سے قبل آبی معاہدہ چاہتا ہے تا کہ پاکستان کی طرف سے پانی کے بہاؤ میں کمی نہ آسکے۔ ورنہ بارہ ڈیموں کی تعمیر شروع ہونے کے بعد پاکستان کے لیے مشکلات کھڑی ہو سکتی ہیں۔"(6)

بھارت پانی ذخیرہ کر کے پاکستان کی معاشی شہ رگ پر وار کرتا آیا ہے اپنے ملک میں ایسی آبی دہشت گردی کے بعد دیگر ہمسایہ ممالک کے ساتھ بھی پانی ذخیرہ کر کے پاکستان کی معاشی اور زرعی استعداد کو نچوڑنے کے درپے ہے۔ یعنی بھارت نے دریائے چترال جو پاکستان کی سرزمین سے نکل کر افغانستان میں سینکڑوں میل سفر کر کے واپس پاکستان میں آتا ہے پر بارہ ڈیمز بنانے کا پلان بنایا ہے۔ یہ بھارت کی پاکستان کو چاروں طرف سے گھیرنے کی سازش اور پاکستان کے آبی ذخائر کو ختم کرنے کی کوشش ہے۔ اصل مقصد پاکستان کو نقصان پہنچانا ہے جب کہ ایک اندازے کے مطابق اس سے 47 لاکھ ہیکٹرز پانی ذخیرہ کرنے کا بھی پلان ہے دوسری طرف افغانستان کی طرف سے پانی کو اس طرح بند کرنا ہے جس طرح بھارت نے اپنے ملک کی طرف سے کیا ہے۔ اگر ان بارہ ڈیمز کی تعمیر ہوتی ہے تو یہ بھارت کی طرف سے پاکستان کے آبی وسائل پر براہ راست وار ہے۔ اس حوالے سے افغانستان میں بھارت نواز حکومت کی وجہ سے مکمل خاموشی ہے جو نیم رضامندی تصور کی جاتی ہے یہاں اس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے کہ 1960ء میں بھارت اور پاکستان اور 1973ء میں افغانستان اور ایران کے مابین پانی کی تقسیم اور پانی ذخیرہ کرنے کے لیے معاہدے کیے گئے ہیں۔ لیکن پاکستان اور افغانستان کے مابین ایسا کوئی معاہدہ موجود ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی گئی ہے تاہم یہ مسئلے اب سر اٹھانے لگے ہیں اور معاشی اور سیاسی میدان میں اس کی پیچیدگیاں ناقابل فہم ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل برطانوی راج میں افغانستان اور ہندوستان کے مابین ایک معاہدہ 1921ء میں ہوا تھا۔

دیکھا جائے تو آغاز سے ہی بھارت پانی کے وسائل یا پانی کا حصہ ضبط کرتا آیا ہے۔ ہندوستان دریائے چناب کا پانی بھی ذخیرہ کرتا یا روکتا ہے جس کا مقصد پاکستان میں خشک سالی پیدا کرنا ہے تاہم افغانستان میں ایسی سرگرمیاں معنی خیز ہیں۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کو پانی ذخیرہ کرنے کے لیے افغانستان سے معاہدہ کرنا چاہیے اور بھارت سے کیے گئے معاہدوں پر عمل درآمد کی ضرورت ہے۔

کالم نگار ضیاء الحق سرحدی کا اسلوب منفرد ہے۔ وہ الفاظ اور جملوں کا سلیس اور سادہ اسلوب اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کا اسلوب ان کی بات چیت میں بھی نظر آتا ہے۔ چونکہ کالم نگار بزنس کمیونٹی سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے معاشی مسائل اور بزنس ان کا پسندیدہ موضوع ہے مذکورہ کالم بھی معاشی طرز پر لکھا گیا ہے

شریف شکیب اردو زبان کے کالم نگار ہیں کالم نگار سماجی مسائل پر کالم نگاری کرتے ہیں اور روزنامہ آج کے ادارتی صفحے پر ان کے کالم چھپتے ہیں۔ کالم نگار نے "افغان مہاجرین سے وابستہ گھمبیر مسئلہ" کے عنوان سے کالم لکھا ہے جس میں آرمی پبلک اسکول پر دہشت گردوں کے حملے پر سیر حاصل گفتگو اور بحث کی ہے۔ اس حملے میں 148 افراد شہید ہوئے جس سے پورے پاکستان میں خوف و دہشت کی لہر پھیل گئی اور معاشرے کا ہر فرد کئی روز تک اس صدمے کا شکار رہا۔ جس کے نتیجے میں آرمی اور سول انتظامیہ نے دہشت گردی کا قلع قمع کرنے کے لیے وسیع اور جامع ایکشن پلان بنایا۔ جس کی رو سے پاکستان میں مقیم افغان مہاجرین کی رجسٹریشن کا عمل تیز کرنے اور غیر قانونی طور پر مقیم افغان مہاجرین کو ڈی رپورٹ کرنے کے لئے ڈیڈ لائن دی۔ پاکستانی حکومت کے اس اقدام سے وہ مہاجر خواتین جو پاکستانیوں کے ساتھ شادی کر چکی ہیں اپنے لیے پاکستانی ڈاکومنٹس کے حصول کے لئے احتجاج کرتی نظر آئیں تاکہ ان کو پاکستانی شہریت حاصل ہو سکے۔

کالم نگار لکھتے ہیں کہ:

> "آرمی پبلک اسکول پر حملے کی منصوبہ بندی افغانستان میں کی گئی تھی حملہ آوروں میں دو چیچن، تین عرب اور دو افغان دہشت گرد تھے جو چار گھنٹے تک اسکول میں خون کی ہولی کھیلتے رہے۔ ملکی تاریخ کے اس بدترین واقعے کے بعد ملک بھر کی سیاسی و عسکری قیادت پشاور میں سر جوڑ کر بیٹھ گئی اور بیس نکات پر مشتمل نیشنل ایکشن پلان تیار کر لیا۔ ان بیس نکات میں سے ایک نقطہ پاکستان میں مقیم افغان مہاجرین کو رجسٹرڈ کرنا اور غیر رجسٹرڈ غیر ملکیوں کے خلاف کارروائی کرنا تھا۔"(7)

پشاور میں ورسک روڈ پر آرمی پبلک سکول پر 16 دسمبر 2014 کو ایک منظم دہشت گردی کا حملہ ہوا۔ جس میں طلباء اور اساتذہ سمیت کل 148 افراد شہید ہوئے اور سو سے زیادہ زخمی ہوئے۔ یہ کسی بھی ایک مقام پر دہشت گردی کی بھینٹ چڑھنے والی بڑے پیمانے پر ہلاکتیں تصور کی جاتی ہیں۔ اس پر متعدد ریسرچ پیپرز بھی شائع ہوئے۔ اس واقعے سے پاکستان کے طول و عرض میں خوف و دہشت کی لہر پھیل گئی۔ سارا ملک سکتے کی حالت میں رہا اور معاشرے کے تمام شعبوں اور ہر سمت سے دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کا مطالبہ ہوا۔ دہشت گردی کے اس واقعے میں کل سات دہشتگردوں نے حصہ لیا جو جدید ہتھیار سے لیس اور تربیت یافتہ تھے۔ جس کی پہلے ہی وارننگ دی گئی تھی۔ اس واقعے سے سول و عسکری قیادت نے ایک جامع حکمت عملی اور ایکشن پلان جو 20 نکات پر مشتمل تھا تشکیل دیا۔

افغان جنگ کی وجہ سے مہاجرین کی 70 فیصد فیملیز صوبہ خیبر پختونخوا میں مقیم ہیں۔ جو جنگ کی سختیوں سے جلاوطن، پشاور اور صوبے کے دیگر علاقوں میں رہائش رکھتے ہیں۔ ان مہاجرین میں اکثریت ان غیر رجسٹرڈ مہاجرین کی ہے جن کی باقاعدہ رجسٹریشن ایک حل طلب مسئلہ رہا ہے۔ اور جو مہاجرین پہلے سے مقیم ہیں ان کو مراعات بھی حاصل ہیں اور اگر وہ اپنی مرضی سے یعنی رضاکارانہ طور پر اپنے ملک واپس جانے پر آمادہ ہو جائیں تو ان کو یو این ایچ سی آر فی کس چار سو ڈالر بھی دیتے ہیں۔ افغان مہاجرین کی وطن واپسی پر معاشرے کے تمام شعبوں اور ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کا بھی پریشر ہے لیکن حکومت نے اس بار ان کی واپسی کی ڈیڈ لائن جو پہلے 31 دسمبر 2016 مقرر کی تھی میں 31 مارچ 2017 تک

توسیع کی ہے۔ اگرچہ افغان مہاجرین کے قافلے رضاکارانہ واپسی کے تحت اپنے وطن واپس جارہے ہیں لیکن اس میں متعدد رکاوٹیں بھی ہیں۔ جیسے کہ کالم نگار شریف شکیب لکھتے ہیں کہ

"افغان مہاجرین میں ہزاروں افراد ایسے بھی ہیں جنہوں نے یہاں شادیاں کی ہیں۔ افغانی لڑکیوں کو بیاہ کر اپنے گھر لانے والوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے تاہم اپنی لڑکیاں افغان خاندانوں میں بیاہنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ افغان مہاجرین سے شادی کرنے والی پاکستانی لڑکیاں اور ان کے بچے بھی خود کو پاکستانی سمجھتے ہیں۔ جب مہاجرین کی رضاکارانہ واپسی شروع ہوئی تو افغان مردوں سے شادی کرنے والی پاکستانی خواتین نے شوہروں کے ساتھ افغانستان جانے سے صاف انکار کر دیا۔ افغانستان اب بھی طوائف الملوکی کا شکار ہے ایسے ملک میں جانے کے لیے پاکستانی لڑکیاں کیوں تیار ہونگی؟ جہاں ان کے مرد بھی جانے سے کتراتے ہیں وفاقی حکومت کو افغان مہاجرین سے شادی کرنے والی پاکستانی خواتین کے مستقبل کے حوالے سے کوئی واضح حکمت عملی اپنانی ہوگی۔"(8)

پاکستان میں افغان مہاجرین کی کئی نسلیں جوان ہوئیں۔ اور ان میں ایسی لڑکیاں بھی تھیں جنھوں نے پاکستانی مردوں سے شادی کر کے اپنے گھر بسا لیے۔ اب جبکہ افغان مہاجرین کی وطن واپسی کا عمل شروع ہوا تو ایسی خواتین اپنے بچوں سمیت پریس کلب پشاور اور دیگر فورم پر مسلسل احتجاج کر رہی ہیں۔ افغان مہاجرین کی وطن واپسی اگرچہ جاری ہے لیکن وہاں کی مقامی حکومت جس کا صدر اشرف غنی ہے کا دائرہ اختیار صرف دارالحکومت کابل تک محدود ہے اور یہ بھی نیٹو فورسز کی حمایت اور تعاون سے ہے۔ ایسے حالات میں افغان مہاجرین کی وطن واپسی ان کے مسائل اور مشکلات میں مزید اضافہ کا باعث بنے گی خصوصاً ایسی خواتین جن کی شادیاں پاکستانیوں کے ساتھ ہوئی ہیں وہ اپنے مستقبل سے ناامید نظر آتی ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں پاکستان کو ایک جامع اور قابل عمل لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

کالم نگار شریف شکیب کا اسلوب نہایت سلیس اور رواں ہے۔ انہوں نے نہایت آسان اور عام فہم الفاظ اور جملوں کا استعمال کیا ہے ان کے جملوں میں ربط ہے۔ انھوں نے نہایت باریک بینی سے اور سلیس الفاظ استعمال کرتے ہوئے افغان مہاجرین سے وابستہ مسائل پر قلم اٹھایا ہے اور اپنا نقطہ نظر واضح کیا ہے۔

رحیم اللہ یوسف زئی کو صوبہ خیبر پختونخوا میں بابائے صحافت کہا جاتا ہے۔ شروع سے ہی انگریزی کے ایک بڑے روزنامے سے منسلک رہے لیکن گاہے بگاہے روزنامہ مشرق کے لیے بھی کالم لکھتے رہے اگرچہ ان کے کالم انگریزی زبان میں نیوز انٹرنیشنل میں شائع ہوتے رہے لیکن اردو میں اکثر ترجمہ ہو کر آج کے ادارتی صفحے پر شائع ہوتے رہے۔ وہ ایک بہترین استاد اور بہترین کالم نگار کے ساتھ ساتھ افغان امور اور دہشت گردی کے موضوعات پر ملکہ رکھتے تھے۔ سیاست اور سماجی موضوعات بھی ان کے موضوعات رہے ہیں۔ زیر تجزیہ کالم کا موضوع "دامنِ تاتارہ سے" ہے۔ جو انہوں نے تین اکتوبر

2016 کو روزنامہ آج پشاور میں لکھا۔ یہ کالم جنگ زدہ افغانستان کے جنگجوؤں کے مابین معاہدوں، مختلف حالات اور بغاوت جیسے واقعات پر مبنی ہے۔

رحیم اللہ یوسفزئی کا اسلوبِ کالم نگاری نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ وہ بہت سلیس الفاظ اور جملوں کا استعمال کرتے ہیں ان کی تحریروں میں ثقیل الفاظ کم سے کم استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا انداز بیاں اور انداز تحریر فوری طور پر قاری کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ ان کے کالم میں موجودہ حالات کے تناظر میں عقلی دلائل سے مستقبل کی ممکنہ حد تک پیشگوئی گوئی اور جاری واقعات کی وجہ سے مستقبل میں پیش آنے والے حالات کا تذکرہ ہوتا ہے۔ وہ اپنا نقطہ نظر نہایت واضح اور دوٹوک انداز میں قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

رحیم اللہ یوسف زئی لکھتے ہیں کہ:

> "گلبدین حکمت یار ماضی میں بھی بعید از قیاس قسم کے اتحاد بنانے میں شہرت رکھتے تھے لیکن اس مرتبہ اتحاد کی خاص بات یہ ہے کہ کہ گلبدین حکمتیار کی جماعت حزبِ اسلامی نے اعلان کیا ہے کہ وہ حکومت کا حصہ بننے کے لیے نہیں بلکہ افغانستان کے سیاسی عمل میں شریک ہونے کے لیے ایسا کر رہی ہے۔ حکمت یار نے اپنی عملی زندگی کا آغاز جس مزاحمتی تحریک سے کیا تھا اس کا سلسلہ بعد ازاں مختلف حکمرانوں کے خلاف تحاریک کی صورت جاری رہا۔"(9)

گلبدین حکمت یار عمومی طور پر ایسے معاہدے کرتے ہیں جس کا قیاس بھی نہیں کیا جاتا اور یہی گلبدین کی شہرت ہے۔ ایک حالیہ معاہدہ افغان یونٹی گورنمنٹ کے ساتھ کیا ہے جو افغانستان کے صدر اور چیف ایگزیکٹیو بالترتیب اشرف غنی اور عبداللہ عبداللہ پر مشتمل ہے۔ اس بارے میں قیاس ممکن نہیں کہ یہ معاہدہ کب تک برقرار رہتا ہے اس معاہدے کا مقصد حکومت میں شراکت داری ہے۔ جسے وہ حکومت میں شراکت داری سے زیادہ سیاسی عمل کو آگے بڑھانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ گلبدین کے خیال میں سیاسی عمل ہی دیرپا امن کو یقینی بنا سکتا ہے۔ افغانستان میں قیامِ امن ایک درینہ خواب ہے جس کا ہر مکتبہ فکر اور عوام نے خیر مقدم کیا ہے۔

یہ معاہدہ جاری جنگی حالات پر اثر انداز ہو سکتا ہے اس کی زیادہ امید نہیں کیوں کہ افغانستان میں مسلح جدوجہد جاری ہے۔ افغان حکومت، اتحادی فورسز اور طالبان کے علیحدہ علیحدہ مفادات ہیں۔ فی الوقت حکمت یار پاکستان کی سرزمین پر ہے اور افغانستان منتقلی اس کے لئے ایک پیچیدہ عمل ہے۔ اس لیے وہ افغان حکومت سے ریلیف کے لیے کوشاں ہیں تاکہ سفر کے دوران اس کو تحفظ فراہم ہو۔ دوسری طرف افغانستان میں امن معاہدے کے مخالفین بھی موجود ہیں اور اس معاہدے کے خلاف احتجاجی مظاہرے بھی ہوتے ہیں مظاہرین کا مطالبہ ہے کہ حکمت یار کو معافی کے بجائے ان کا اور ان کے ساتھیوں کا احتساب کیا جائے۔

اگرچہ ماضی میں ایسے جنگجو لیڈرشپ کو عام معافی دی گئی ہے ماضی میں افغان بغاوت کے وقت جو نوجوان پاکستان آئے تھے تو اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ان کا والہانہ استقبال کیا تھا۔ جس میں احمد شاہ مسعود اور دیگر نوجوان شامل

تھے کیونکہ انہوں نے سردار داؤد کے خلاف بغاوت کی تھی اور سردار داوٗد پاکستان مخالف اور اور ہندوستانی دوست افغان صدر کے طور پر مشہور تھے۔

رحیم اللہ یوسف زئی مزید لکھتے ہیں کہ:

> "افغان انتظامیہ کے ساتھ حکمت یار کے معاہدے سے انہیں اور ان کی جماعت کو ذاتی طور پر فائدہ ہو گا جو ایک طویل عرصہ بعد افغانستان میں فعال سیاسی عمل کا حصہ بن گئی ہے۔ قانونی طور پر حکمت یار اور ان کی جماعت کو عام معافی دے دی گئی ہے۔ امن معاہدہ افغان حکومت کی بھی ایک بڑی کامیابی ہے جو ایک عرصے سے قیام امن کے عمل کو آگے بڑھانے کے لیے کوششیں کر رہی ہے۔ اشرف غنی اور عبداللہ عبداللہ نے 2014ء کے صدارتی انتخابات میں وعدہ کیا تھا کہ قیامِ امن کے عمل کو آگے بڑھانا ان کی اولین ترجیح ہو گی اور حکمت یار سے امن معاہدہ طے پانا ان کی کوششوں کا راست سمت میں بڑھنے کا اظہار ہے۔"(10)

حکمت یار روسی جارحیت کے خلاف ایک متحرک اور توانا جدوجہد کا نام رہا ہے۔ وہ کمیونسٹ دور کے سردار داؤد سے لے کر نور محمد ترکئ، حفیظ الدین، ببرک کارمل، ڈاکٹر نجیب اور مختلف مجاہدین گروپس کے خلاف حالت جنگ میں رہے اور آخر میں کرزئی اور اشرف غنی جو امریکی حمایت سے صدر بنے، کہ خلاف بھی عملی میدان میں سرگرم رہے اس دوران ان کے مختلف معاہدے بھی سامنے آئے۔ جب حکمت یار اسلامی تحریک کے کارکن تھے تو 1970ء میں صدر داؤد کی حکومت کے خلاف ابھرنے والی بغاوت میں انہوں نے بھی حصہ لیا۔ لیکن بغاوت کی ناکامی کے نتیجے میں وہ پاکستان ہیلی کاپٹر کے ذریعے بھاگ آئے اس وقت حکمت یار اسلامی تحریک کے سربراہ تھے۔ وہ طالبان کا حصہ بھی رہے جو امریکی مخالف عسکری جدوجہد کرتے رہے افغان حکومت کے ساتھ معاہدے میں حکمت یار کو فائدہ ہوا کیونکہ اس معاہدے کی وجہ سے وہ افغانستان میں فعال کردار ادا کرنے کے قابل ہوں گے ان کی تحریک میں شامل مجاہدین افغانستان کی معیشت میں بھی کردار ادا کر سکیں گے۔ حکمتیار ایک عسکری قوت سے سیاسی قوت کے سفر پر ہیں۔ یہ تحریر ایک ایسے نظریے کے تحت نظر آتی ہے جو عسکری، معاشی، سماجی اور سیاسی پہلوؤں پر لکھی گئی۔

حوالہ جات

1. سید جی بی شاہ بخاری، کالم بعنوان "افغانستان میں امن کے اشارے"، روزنامہ "آج"، ۱۸ جولائی ۲۰۱۸
2. ایضاً
3. عظمت کریم، کالم بعنوان "پاک افغان مشترکہ جدوجہد: پہلی کامیابی"، روزنامہ "آج"، ۲۰ جون ۲۰۱۸
4. ایضاً
5. ضیاء الحق سرحدی، کالم بعنوان "یقینِ محکم"، روزنامہ "آج"، ۳ ستمبر ۲۰۱۶

6. ایضاً
7. شریف شکیب، کالم بعنوان، "افغان مہاجرین سے وابستہ گمبھیر مسئلہ"، روزنامہ "آج"، ۱۳ ستمبر ۲۰۱۶
8. ایضاً
9. رحیم اللہ یوسفزئی، کالم بعنوان "دامنِ تاتارہ"، روزنامہ "آج"، ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۶
10. ایضاً

References

1. Syed GB Shah Bukhari, column entitled "Signs of peace in Afghanistan", daily "Aaj", 18 July 2018
2. Ibid
3. Azmat Karim, column entitled "Pak-Afghan Joint Struggle: First Success", daily "Aaj", 20 June 2018
4. Ibid
5. Zia-ul-Haq Sarhadi, column entitled "Yaqeen-e-Mahqat", daily "Aaj", September3, 2016.
6. Ibid
7. Sharif Shakib, Column titled "The Serious Problem of Afghan Refugees", Daily "Aaj", September 13, 2016
8. Ibid
9. Rahimullah Yousafzai, column titled "Daman-i Tatara", daily "Aaj", October 3, 2016
10. Ibid